مکافاتِ عمل
سیّدہ نیناں عروج

پیسہ فی زمانہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے لیکن پیسہ اگر حرام راستوں سے کمایا جائے تو اکثر یہ تباہی و بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔ پیسہ کمانے کیلئے اِنسان جب غلط راستوں پر اندھا دُھند بھاگتا ہے تو تقدیر کی ٹھوکر ہی سے اسے سنبھلنے کا موقع ملتا ہے اگر نہ سنبھلے تو پھر مکافاتِ عمل شروع ہو جاتا ہے جس کے لیے اِنسان پہلے سے کبھی تیار نہیں ہوتا۔

****

شام کے چھ بج رہے تھے۔ سردیوں کی شاموں کا ملگجا سا سرمئی اندھیرا آہستہ روی سے ہر چیز، ہر منظر کو اپنے رنگ میں رنگتا جا رہا تھا۔ ہر کسی کو اپنے گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ سڑک پر ایک دھکم پیل جاری تھی۔ سڑکوں پر لگے نیون سائن بورڈز اور سٹریٹ لائیٹس روشن ہونا شروع ہو چکی تھی جنہوں نے تاریکی کو اپنے اندر ضم کر لیا تھا۔

سڑک کے کنارے کھڑے عاصم نے ہر چیز کو بے نیازی سے دیکھا اور اپنی نظریں دوبارہ سے بائیں جانب مرکوز کر دیں۔ وہ دائیں کندھے پر موجود بیگ کو بار بار چیک کر رہا تھا۔ اسکے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اسکو کسی کا بے چینی سے انتظار ہے۔ اسکے اندر عجیب سی کشمکش اور پکڑ دھکڑ جاری تھی۔

عاصم تم بہت غلط کرنے جا رہے ہو۔ اپنے ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے لگے ہو۔ تم جیسے لوگوں کو جانتے ہو کیسے لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے؟ غدار، نمک حرام، ملک کی نسل کے دُشمن۔ اسکے اندر سے جیسے کوئی

آواز اُبھری۔ اس آواز نے اسکے اندر اذیت کی لکیریں کھینچ دیں۔ اس نے بے چینی سے اپنے دائیں کندھے سے لٹکے بیگ کو بائیں شانے پر منتقل کیا۔ بیگ کا بوجھ اسے اپنی روح پر پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

تم جانتے ہو اس بیگ کے اندر کیا ہے؟ آواز ایک بار پھر اُبھری۔ زہر ہے اسکے اندر وہ زہر جو رگوں میں شامل ہو کر اِنسان کو اذیت ناک موت سے دوچار کر دیتا ہے۔ اسے اپنوں سے دور کر دیتا ہے۔ تم ایک زہر فروش بننے جا رہے ہو۔ بکواس نہ کرو۔ میں کچھ نہیں جانتا، سوائے اسکے کہ میرے گھر میں اس وقت میرے بہن بھائی تین وقت کے بھوکے ہیں۔ میرا باپ بیمار ہے اور میری ماں ہر روز اُمید کے دیئے اپنی آنکھوں میں روشن کر کے میری راہ تکتی ہے کہ کب میں آؤں گا اور گھر کا چولہا جلے گا۔ اسکے علاوہ کچھ اور نہیں سوچ سکتا، نہ میں کچھ اور سوچنا چاہتا ہوں۔

ضمیر کی آواز نے ایک اور چرکا لگایا، "یہی بہن بھائی، ماں باپ تمہیں کن نظروں سے دیکھیں گے جب انہیں یہ معلوم ہو گا کہ تم کیا کام کرتے ہو"۔

"میں انہیں کبھی معلوم ہونے نہیں دوں گا کہ میں کیا کام کرتا ہوں۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔

اپنے ضمیر کیساتھ لڑتے ہوئے اسے معلوم نہ ہو سکا کہ کب بلیک مرسیڈیز اسکے پیروں کے قریب آ کر چرچرائی۔ گاڑی کی آواز سے اس نے چونک کر دیکھا۔ اندر سے کسی نے اسکے لئے دروازہ کھول دیا۔ وہ چپ چاپ اپنا بیگ سنبھالتا ہوا گاڑی کے اندر بیٹھ گیا۔ ہیٹر پر حدت فضا میں باہر کی سردی کچھ کم لگ رہی تھی۔ سکون آمیز حرارت سے گاڑی کی قیمت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

اس نے ایک لمبی سانس کھینچ کر اپنے اندر رکی ہوئی گھٹن کو باہر نکالا اور ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص پر ڈالی جسکو دیکھ کر عاصم خود بخود ہی اس سے مرعوب ہو گیا۔

سیاہ سوٹ کیساتھ رات کے وقت بلیک گلاس لگائے وہ شخص اسے پہلی نظر میں ہی مشکوک لگا حالانکہ مشکوک تو وہ خود بھی تھا۔ غلط کام تو وہ بھی کرنے جا رہا تھا۔

"مال لائے ہو؟"، اس شخص کی بارعب اور گھمبیر آواز گاڑی کی مرتعش فضا میں گونجی۔

عاصم کا سر خود بخود ہاں میں ہل گیا۔ "سیٹھ ارمان نے بتایا تھا کہ تم نئے نئے شامل ہوئے ہو ہمارے گینگ میں"۔ اب کی بار اس نے پھر سر ہلایا۔

"سیٹھ ارمان نے بتا تو دیا ہوگا لیکن میں بھی ایک بار دہرا دوں۔ ہمارے گروہ میں جو بھی غداری کرتا ہے ہم اسکے خاندان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔ ہمارے کاروبار کا ایک ہی اصول ہے، ایمانداری۔ جب تک ایمانداری سے چلو گے تب تک تم سمجھنا کہ قسمت تم پر مہربان ہے لیکن جس دِن تمہارے ذہن میں غداری کا خیال بھی آیا تو تم۔۔۔۔۔۔ سمجھ رہے ہو نا؟" اس شخص نے سفاک لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے اسکی جانب دیکھا۔

عاصم نے خوف کے مارے تھوک نگلتے ہوئے صرف ہاں میں جواب دیا۔ "مال کھول کر دِکھاؤ"۔ اس نے بیگ کھول کر اسکے سامنے رکھ دیا۔ سیاہ سوٹ والے شخص نے بیگ میں ہاتھ ڈال کر ایک سفید رنگ کی پڑیا نکالی اور اسے کھول کر اپنی ناک کے قریب لیجا کر ایک لمبی سانس لی۔ "ہوں، سیٹھ ارمان کا مال ہمیشہ ایک

نمبر ہوتا ہے اسی لئے تو ہماری ہر ڈیل اسی کیساتھ ہوتی ہے"۔مال کو سراہتے ہوئے اس نے پڑیا بیگ میں رکھ کر زپ بند کر دی اور اپنے سائیڈ میں رکھا ہوا بریف کیس اٹھا کر عاصم کو دیتے ہوئے بولا،

"اسے کھول کر چیک کر لو۔پورے ستر لاکھ ہیں۔چاہو تو گن لو"۔

"گننے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیٹھ ارمان کی ڈیل ہوئی ہے آپکے ساتھ اور سیٹھ ارمان کسی نا قابل اعبار بندے کو اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔ جب سیٹھ صاحب کو آپ پر بھروسہ ہے تو میں رقم کیسے گن سکتا ہوں۔ اسکے لئے تو انکا اعتبار ہی کافی ہے"۔

یہ بات سن کر اس شخص کے چہرے پر ستائش کے رنگ اُبھرے۔"تم تو خاصے عقلمند ہو۔میں تو سمجھا تھا تمہیں بولنا بھی نہیں آتا ہے۔تم اس سیٹھ کے ہتھے کیسے چڑھ گئے؟" اسکو بھی شاید عاصم میں دِلچسپی محسوس ہوئی۔

"غریب اِنسان ہوں جی اور غریب اِنسان کی تو ضرورتیں بھی مجبوریاں بن جاتی ہیں۔بس میری مجبوریاں مجھے سیٹھ ارمان کے پاس لے گئی تھیں۔یہ انکی مہربانی ہے کہ اُنہوں نے مجھے کام پر رکھ لیا"۔

"ویسے مجھے مہندر چند انوپ کہتے ہیں اگر میری کبھی ضرورت پڑے تو مجھے ضرور یاد کرنا"۔اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسکی جانب بڑھا دیا جسے عاصم نے بلاوجہ پکڑ لیا۔

"کہاں اُتاروں تمہیں؟"، مہندر چند نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اس سے پوچھا۔"یہیں کسی قریبی بس اسٹاپ پر اُتار دیں"۔ڈرائیور نے گاڑی نزدیکی بس سٹاپ کے قریب روک دی۔ بریف کیس کو احتیاط سے پکڑ کر اس نے ایک الوداعی نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

اپنے گھر کا پرانا سا دروازہ کھولتے ہوئے اسکے چہرے پر کوئی پشیمانی یا ندامت نہیں تھی جو کہ روز کا معمول بن چکی تھی۔

آج اسکے چہرے پر فتح مندی کے آثار تھے۔ اگر چہ دل میں لعنت و ملامت کا سلسلہ جاری تھا لیکن آج اسکی جیبوں میں ہزاروں نوٹ بھرے ہوئے تھے اور دونوں ہاتھ گھر کیلئے کی گئی شاپنگ سے جھکے جا رہے تھے تو اسکے آگے ضمیر کی کیا حیثیت۔ اس نے صحن میں کھڑے ہو کر دو تین آوازیں لگائیں تو اکلوتے کمرے سے اسکی چھوٹی بہن نکل آئی۔ اسکے ہاتھوں میں کھانے پینے کا سامان دیکھ کر اسکے منہ سے خوشی کے مارے چیخ نکل گئی۔ "بھائی اِتنا کچھ کہاں سے آیا؟ کوئی نوکری مل گئی ہے کیا؟"

اسکی آواز سن کر اماں اور دونوں بھائی بھی باہر نکل آئے۔ "بیٹا یہ سب؟"۔ اماں کے چہرے پر یہ سب دیکھ کر فکر مندی کے آثار ابھرے۔

"اماں میں نے آپکو بتایا تو تھا دوائیوں کی بہت بڑی کمپنی ہے۔ ہر روز مال سپلائی کرنا ہے، ہر روز کا کمیشن ملا کرے گا"۔ اس نے ماں کو مطمئن کرنے کیلئے ایک جھوٹ گھڑ لیا۔ جسے سن کر اماں مطمئن ہوئی نہ ہو لیکن عاصم کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا یہ دیکھ کر کہ اس کے بہن بھائی بہت خوش تھے۔ ضمیر کی چبھن اور دِل کا بوجھ بھی اس وقت نجانے کہاں سو گیا تھا۔

"بھائی میرا ایڈمیشن بھی کالج میں کروا دیں گے نہ؟" اریبہ نے لاڈ سے اسکے گلے میں باہیں ڈال کر اپنی خواہش بیان کی۔

"ہاں"۔

"سچ بھائی؟"، اریبہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں۔

"ہاں بالکل سچ بس تھوڑا وقت چاہیے"۔ عاصم کی آنکھوں میں ایک عزم اور فتح کی چمک تھی مگر ضمیر اپنا کام ساتھ ساتھ کر رہا تھا۔ ہر غلط قدم اُٹھنے پر روک رہا تھا۔ کانٹوں بھری راہ گزر کو پھولوں کا راستہ سمجھ کر اس نے، اس راستے میں قدم رکھ دیئے اور اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

وقت بھی ساتھ ساتھ دوڑتا رہا تا کہ اپنا وعدہ سچ کر دِکھائے۔

* * * * * * * * *

"یار اریبہ سر آصف کے پیریڈ میں تو بندہ بور ہو جاتا ہے۔ ایک تو انکی پرسنالٹی ماشاء اللہ ہے اور اوپر سے یہ لمبے لمبے لیکچر مجھے تو نیند آنے لگتی ہے"۔ گراؤنڈ میں بیٹھی تانیہ گھاس نوچ کر اپنے خیالات کا اِظہار کر رہی تھی۔

"نہیں، مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگتا۔ وہ تو اتنی تفصیل سے سمجھاتے ہیں کہ کوئی پوائنٹ مس نہیں ہوتا۔ ذہن میں نقش ہو جاتا ہے۔ زولوجی کے لاسٹ تھری کانسپٹ پریکٹیکل کیساتھ کس قدر آسانی سے سمجھائے تھے۔ گروپ کی تمام لڑکیاں ہی مطمئن ہو گئی تھیں"۔

"تم سارا دِن بور نہیں ہوتی پڑھائی کر کے؟"، تانیہ اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔

"پڑھائی میں کیسی بوریت؟ یہ تو اِنسان کی زندگی کو روشن کر دیتی ہے۔ جہالت کے اندھیروں سے بڑا بھی کوئی اندھیرا ہے بھلا؟" اریبہ کی بات پر تانیہ خجل ہو کر بولی، "تم تو نصیحت شروع کر دیتی ہوں۔ نصیحت بی بی اچھا یہ بتاؤ فارغ وقت میں کیا کرتی ہو؟"

"فارغ وقت میں کیا کرنا ہے شاعری کی کتابیں پڑھتی ہوں یا پھر کوئی ناول وغیرہ۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہوں؟"

" توبہ ہے اریبہ تم تو کتابوں کا کیڑا بن کر رہ گئی ہو۔ہائی سوسائٹی میں موو کرنے والی اور سوچ تمہاری کسی لوئر مڈل کلاس لڑکی کی طرح ہے"۔ تانیہ ناک بھوں چڑھاتی ہوئی بولی۔

"میری سوچ تو اسی طرح کی ہے اگر کسی کو اعتراض ہے تو میں کیا کروں؟"۔اریبہ نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

" تمہاری کسی لڑکے سے دوستی ہے؟" تانیہ نے رازداری سے اسکے قریب ہو کر پوچھا جبکہ اریبہ اسکی بات سن کر بدک کے پیچھے ہٹی۔ "ہر گز نہیں۔ میں ایسے فضول کام نہیں کرتی"۔ شفاف ماتھے پر ناگواری سے شکنیں بنی ہوئی تھیں۔

"چلو چھٹی ہوئی لڑکے سے بھی دوستی نہیں ہے۔ اچھا میں تمہیں ایک چیز دیتی ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ تمہارے روم میں وی سی آر ہے؟"

"وی سی آر اور وہ بھی میرے روم میں، امی جوتے لگائیں گی۔ میرے کمرے میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں ٹی وی لاؤنج میں ضرور رکھا ہوا ہے۔ بھائی فلم وغیرہ دیکھتے ہیں"۔

"گڈ، بہت اچھی بات ہے۔ تم ایسا کرو یہ گھر لے جاؤ اور اپنے وی سی آر میں لگا کہ دیکھنا"۔ اپنے بیگ میں سے ایک بڑا سا خاکی لفافہ نکال کر اس نے اریبہ کو دیا۔ (پکڑو بھی)۔

"اِس میں کیا ہے ؟"، اریبہ نے حیرت اور اشتیاق سے پوچھا۔ "فلم ہے اور کیا چیز ہو گی اس میں"۔

"اچھا فلم لیکن کونسی ؟ انڈین یا انگلش ؟"

ہے تو انگلش۔ کیا نام ہے فلم کا ؟ اب اریبہ کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا۔

"نام نوم کوئی نہیں ہے اسکا۔ بس تم لے جاؤ اور اسے ضرور دیکھنا"۔

"میں بھائی سے کہوں گی وہ لگا دے گا۔ اسکو بھی انگلش فلمیں بہت پسند ہیں اکثر بازار سے لا کر دیکھتا ہے"۔ اریبہ نے فلم پکڑتے ہوئے کہا۔

"بیوقوف بھائی سے مت کہنا"، تانیہ نے اپنا سر پیٹا۔ "تم خود اکیلے میں دیکھنا"۔ تانیہ نے آہستگی سے اسکو سمجھایا۔

اریبہ اب تک کچھ نہیں سمجھ سکی تھی تبھی نا سمجھی سے بولی، "ایسا کیا ہے اس فلم میں ؟"

"اوہو تم سوال بہت کرتی ہو جیسے میں نے تمہیں بتایا ہے تم ویسے کرنا۔ جب دیکھو گی تو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا۔ اب اسکو جلدی سے بیگ میں ڈال لو تاکہ کوئی دیکھ نہ لے"۔ فلم اسکے ہاتھ سے لیکر اس نے خود اریبہ کے بیگ میں ٹھونس دی۔

****

"آؤآؤعاصم مجھے تمہارا ہی اِنتظار تھا"۔ سیٹھ ارمان بیش قیمت صوفے پر دھنسا سگار کا کش لیتے ہوئے اسکو دیکھ کر خوش دِلی سے بولا۔

"میرا انتظار کس لئے کیا جا رہا تھا؟" پیسے کی فراوانی کیساتھ اس کے اعتماد میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ کل کا عاصم کسی سے نظریں ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا جبکہ آج کا عاصم ہر ایک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا بلکہ مدمقابل کو چت کرنے کے ہنر سے آشنا ہو چکا تھا۔

"تمہیں میرے ساتھ کام کرتے ہوئے ڈیرھ سال ہو چکا ہے۔ ملک میں ہر بڑے شہر میں ہونیوالی ڈیل کو تم ہی نے فائنل کیا ہے۔ اسکے علاوہ مال پہنچانے کی ذمہ داری بھی تماری ہی ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن اب۔۔۔۔۔"، سیٹھ ارمان نے سگار کا دھواں منہ سے نکالا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ نظریں عاصم کے چہرے پر مرتکز تھیں۔ کچھ توقف بعد وہ گویا ہوا۔ "میں نہیں چاہتا کہ پولیس کی نظر تم پر پڑے اسلئے میں نے سوچا ہے کہ تمہیں کچھ عرصے کیلئے باہر بھجوا دوں۔ بس تم ایسا کرو جلدی سے تیاری شروع کر دو۔ ایک ماہ کیلئے تم دبئی چلے جاؤ۔ باقی یہاں کی تم فکر نہ کرنا۔ یہاں کیلئے میں نے ایک نیا بندہ ڈھونڈ لیا ہے"۔

"آپ نے تو سارے فیصلے بالا بالا ہی کر لئے سیٹھ صاحب! کم سے کم مجھ سے پوچھ تو لیتے"۔ در حقیقت اسے سیٹھ صاحب سے اس بات کی توقع نہ تھی اور نہ ہی وہ اپنے بہن بھائیوں اور ماں کو چھوڑ کر کہیں جانا چاہتا تھا۔

سیٹھ ارمان کی اسکی بات سن کر چونک پڑا اور خاصی حیرت سے اسے دیکھ کر پوچھا کیا تم انکار کر دو گے؟

"انکار تو میں نہیں کروں گا لیکن آپکو میری وفاداری پر بھی یقین ہونا چاہیے۔ آپ نے اسطرح بغیر پوچھے فیصلہ کر لیا اگر میری مرضی نہ ہو تو میں اِنکار بھی کر سکتا ہوں"۔

سیٹھ ارمان نے اسکی بات سن کر ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور خاصے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا،"او ہو تو اب تمہارے بھی پر نکل آئے ہیں۔ تم میں اِتنی ہمت آ گئی ہے کہ تم ہم سے آنکھیں ملا کر بات کر سکو۔ یہ مت بھولو کہ تمہیں اس مقام تک لانے میں صرف اور صرف میرا ہاتھ ہے ورنہ تمہاری اوقات تو زمین میں رینگنے والے کیڑے سے زیادہ نہ تھی"۔

اسکی بات سن کر عاصم کے تن بدن میں ایک آتش فشاں بھڑک اُٹھا لیکن خود کو بمشکل قابو کرتے ہوئے بولا، "آج اگر میں اس مقام پر ہوں تو اس میں صرف اور صرف میری اپنی محنت شامل ہے۔ کئی دفعہ پولیس کی چوکیوں سے پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلا ہوں۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر تمہارا مال کسٹمرز تک پہنچایا ہے اور وہ بھی ہر دفعہ ایک نیا حربہ آزما کر۔ بعض دفعہ تو پولیس والے مال کے قریب پہنچ جاتے تھے۔ تم تو اس آرام داہ کمرے میں بیٹھ کر صرف آرڈر لگاتے ہو لیکن محنت مجھے کرنی پڑتی ہے۔ کوئی بھیک نہیں لیتا ہوں میں تم سے۔ آئندہ ایسی بات مت کرنا ورنہ بہت پچھتاؤ گے"۔

دھمکی دے کر وہ ابھی کمرے کے دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اپنے عقب میں اسے سیٹھ ارمان کی غراہٹ بھری آواز سنائی دی۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم جیسے نمک حرام اور غداری ہی کرتے ہیں۔ اسی لئے تم جیسے لوگوں کی کمزوریاں تو میں سب سے پہلے پکڑتا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خلاف سارے ثبوت موجود ہیں بمعہ تصویروں کے، میں چاہوں تو ایک منٹ میں تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈلوادوں لیکن تمہارے اتنے عرصے کام کرنے کا لحاظ کر رہا ہوں۔ کل شام تک کا وقت ہے تمہارے پاس، سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ آزادی یا پھر جیل کی کال کوٹھڑی"۔

عاصم نے ایک کینہ توز نگاہ سیٹھ ارمان پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔ تو مجھے جیل کیا بھجوائے گا۔ جیل تو اب میں تجھے بھجواؤں گا۔ صحیح کہتے تھے تم مہندر چند کہ یہ شخص اپنا مطلب نکلنے پر گرگٹ کی طرح رنگ بدلے گا۔ آج تک تمہیں صرف بے بس لوگ ہی ملے ہوں گے لیکن اب کے تمہارا ٹاکرا عاصم کمال سے ہوا ہے جو تمہاری اس برسوں کی بنائی ہوئی شان و شوکت کو ایک پل میں مٹی میں ملادے گا۔ اپنے دل میں پلاننگ کرتا وہ گاڑی میں بیٹھ کر مہندر چند کے آفس کی جانب چل پڑا۔

"تم نے بہت اچھا کیا جو میرے پاس چلے آئے۔ میں نے تمہیں اسی دِن کیلئے کارڈ پکڑایا تھا کہ سیٹھ ارمان ایک دن تمہارے ساتھ یہی حشر کرے گا۔ اس نے یہ صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں کیا جو بھی بندہ اسکے گلے میں ہڈی بن کر اٹکنے لگتا ہے وہ اسکو یوں ہی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اب جب اس نے دیکھا کہ تمہارا اثرورسوخ بننا شروع ہو چکا ہے، بلیک مارکیٹ میں تمہارا نام ہے تو اس کینہ پرور شخص کو یہ سب کیسے

گوارا ہوتا کہ اسکا ایک معمولی سا آدمی اسکے سر چڑھ جائے"۔ مہندر چند نے تفصیل سے اسکو ساری بات بتائی جس سے فی الوقت عاصم آگاہ نہیں تھا۔

"لیکن سر میں ان ثبوتوں کی وجہ سے پریشان ہوں جو سیٹھ ارمان کے پاس موجود ہیں۔ یہ ثبوت میرے لئے کسی بھی پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں"۔ عاصم کے چہرے سے فکر و پریشانی جھلک رہی تھی۔

"تم اسکی فکر نہ کرو۔ میرے پاس بہت سے ایسے بندے ہیں جو چٹکیوں میں تمام ثبوت سیٹھ کے لاکر سے نکا لائیں گے۔ اس نے کل شام تک کا وقت دیا ہے اور کل تک تو بہت کچھ بدل چکا ہو گا"۔ جسطرح ہاتھ کی لکیریں ایک پل میں بدل جاتی ہیں، آنکھوں کو کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز کئے مہندر چند زہریلی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہوئے بولا اور شاید اس مسکراہٹ میں کسی کیلئے بربادی چھپی ہوئی تھی۔

****

"کل تم نہیں آئی میں سارا دِن کالج میں بور ہوتی رہی۔ چھٹی کرنی تھی تو مجھے بتا دیتی میں بھی کالج نہ آتی"۔ تانیہ آتے ہی اس پر چڑھ دوڑی۔ جبکہ اریبہ بیزاری سے ایک جانب منہ بنائے بیٹھی رہی۔

"یہ تمہارا تھوبڑہ کیوں سوجا ہوا ہے؟ جیسے کسی سے پٹ کر آئی ہو"۔

"کچھ نہیں بس طبیعت خراب تھ"۔ مختصر سا جواب دے کر وہ خاموش ہو گئی۔

"خیر یہ بتاؤ تم نے فلم دیکھی؟ کیسی لگی؟"، تانیہ نے اشتیاق سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اریبہ نے چونک کر اسکی طرف دیکھا اور خاصے طنزیہ انداز میں بولی، "تم ایسی لڑکی ہوں مجھے معلوم نہیں تھا۔ اسطرح کی بیہودہ فلمیں دیکھتی ہو وہ بھی ایک لڑکی ہو کر۔ میں تو پانچ منٹ بھی دیکھ سکی اور تم۔۔۔"

"میں تو۔۔۔ سو واٹ یار جس سوسائٹی سے ہم تعلق رکھتے ہیں وہاں پر ہر چیز ممکن ہے۔ تم ان لڑکوں کو نہیں دیکھتی کیسی عیاشیاں کرتے ہیں۔ سگریٹ، شراب، شباب، کونسا کام ہے جو یہ لوگ نہیں کرتے"۔ وہ خاصے تنفر سے بول رہی تھی۔

"تم لڑکوں کیساتھ کیوں مقابلہ کرتی ہو؟ ہمارے معاشرے کا ایک لوئر مڈل کلاس کا مرد بھی اتنا ہی بااختیار ہے جتنا کہ ایک اپر کلاس کا مرد ہو سکتا ہے جبکہ ہماری سوسائٹی کی ہائی کلاس سے تعلق رکھنے والی عورت بھی اتنی ہی بے بس اور مجبور ہے جتنی کہ ایک لوئر کلاس عورت ہوتی ہے۔ بات تو صرف طبقاتی فرق کی ہے۔ لیکن اگر عورت بھی اپنی شرم وحیا اور اپنے نسوانی وقار کو پس پشت ڈال کر مرد کیساتھ مقابلہ کرنے نکل پرے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ میں بھی کروں گی تو وہ کس قدر بری لگے گی یہ سب کرتے ہوئے؟" اریبہ پر زور انداز میں اپنے دلائل بیان کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اسکے جواب میں تانیہ کے منہ سے جو بات نکلی اسے سن کر اسکا جی چاہا کہ وہ اسکا یا اپنا سر پھاڑ لے۔

"تم نے فلم پوری کیوں نہیں دیکھی۔ واقعی یار بہت زبردست فلم ہے۔ تم ایک بار پوری دیکھو تو سہی تمہیں بہت مزہ آئے گا۔ تمہیں ایسا لگے گا کہ اس لڑکی کی جگہ تم خود ہو"۔

"چھی کس قدر گندی باتیں کرتی ہو تم۔ اگر تم نے ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو مجھے اپنی اور تمہاری دوستی پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔ میں ایسے لوگوں کے قریب سے بھی نہیں گزرتی ہو سمجھی تم۔ اریبہ نے سختی سے اسے ڈانٹ دیا۔ جبکہ تانیہ بھی اپنی جگہ پر زشرمندہ سی ہو گئی۔

"اچھا چھوڑو اس بات کو تمہیں نہیں پسند تو نہ سہی۔ یہ بتاؤ نیٹ استعمال کرتی ہو؟"

"مجھے کمپیوٹر کھولنا بھی نہیں آتا ہے نیٹ تو دور کی بات ہے"۔ وہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟ کیا وجہ ہے؟"، تانیہ نے ایک بار پھر کریدا۔

"ویسے ہی بھائی سیکھنے نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو یہ سب کچھ سیکھ کر کیا کرنا ہے"۔

"اریبہ ایک بات تو بتاؤ تم لوگ شروع سے ہی ویل آف فیملی سے تعلق رکھتے ہو یا اب تمہارے پاس پیسہ آیا ہے؟ آئی مین تمہارے باپ دادا بھی اسی طرح ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے؟"۔ وہ اسکے سوال کا مطلب سمجھ گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے سچ بولنے کی ٹھان لی اور خاصے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں تانیہ تم یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہو۔ مجھے بھی یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ آج سے چند برس قبل تک ہماری فیملی کا تعلق بھی مڈل کلاس سے تھا۔ ہمارے گھر میں تو دو وقت کی روٹی کیلئے فاقے ہوتے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے پاس ہر چیز ہے لیکن پھر بھی میں اپنی حدود اور اِخلاقیات کو نہیں بھولی۔ ہم ہائی سوسائٹی کا حصہ ضرور بنے ہیں لیکن اس سوسائٹی میں کئے جانیوالے کام، میں تو کبھی بھی نہیں کر سکتی۔ حالانکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہاں پر پڑھنے والی ہر لڑکی نے دو یا تین بوائے فرینڈز بنا رکھے ہیں۔

موبائل فونز کا غلط استعمال کرتی ہیں، ڈیٹ پر جاتی ہیں اور بہت سی تو اپنی نسوانی حیا کو بھی بہت خوشی سے پامال کرتی ہیں۔ یہ سب دیکھتی ہوں تو مجھے بہت دُکھ ہوتا ہے کہ آج کی عورت نے خود کو کھلونا بنا لیا ہے۔ کوئی مرد اس سے کھیلے اور آگے بڑھ جائے۔ لڑکیاں اپنی مرضی سے یہ سب کچھ کرتی ہیں"۔ وہ ایک لمحے کیلئے خاموش ہو کر اپنے ہاتھوں کو تکنے لگی۔

"آئی ایم سوری یار! میں نے تو صرف اسلئے پوچھا تھا کہ تم پر جو پابندیاں لگی ہیں کہیں سکی وجہ۔۔۔ نہیں"۔

"مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ صرف میرے ماں باپ کی تربیت ہے جو ہر غلط قدم اُٹھنے پر میرے قدم روک لیتی ہے"۔ اس نے بات کاٹ کر اسکی غلط فہمی کو دور کیا۔

"اچھا تم نیٹ سیکھنے تو آیا کرو گی نہ میرے گھر پر؟"

"میں وعدہ نہیں کرتی البتہ کوشش ضرور کروں گی"۔

"کوشش وغیرہ کچھ نہیں بس تم روزانہ ایک گھنٹے کیلئے میرے ساتھ چلا کرو۔ تمہارے ہی فائدے کی بات ہے۔ زندگی میں کام آئے گی۔ ہر قسم کی انفارمیشن تمہیں گھر بیٹھے مل جایا کرے گی۔ اتنے تو فائدے ہیں اب تمہیں انکار نہیں کرنا چاہیے"۔ تانیہ کے اصرار پر ناچار اسے حامی بھرنا پڑی۔

* * * * * * * * * * *

ویلڈن عاصم تم نے وہ کام کر دکھایا ہے جو کوئی بھی نہ کر سکا۔ سیٹھ ارمان بلیک مارکیٹنگ کا شہنشاہ مانا جاتا تھا اور تم نے ایک ہی پل میں اسکو چت کر کے جیل کی کال کوٹھڑی میں بجھوا دیا وہ بھی عمر قید کی صورت میں۔

مہندر چند کی خوشی اور جوش میں ڈوبی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ "لیکن اصل چیز تو وہ ثبوت تھے جو تم نے اکٹھے کیئے اسکے کالے دھندوں کے اور بلیک منی کو وائٹ کرنے کے۔ تم نے یہ سب کب سے اکٹھے کرنے شروع کر دیے تھے؟"

"یہ سب میں نے سیٹھ ارمان کے پاس کام رنے کے چند ماہ بعد ہی سے شروع کر دیا تھا کیونکہ اس شخص کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جس بندے کو اسکو خطرہ ہو اسکو وہ دنیا سے اٹھا دیتا ہے۔ اسکی فطرت تو اس سانپ کی طرح تھی جسکے قریب اگر کوئی نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہ بھی جائے تب بھی اسکو کاٹے گا۔ یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی بھی شخص کا دشمن ایک پل میں بن سکتا ہے"۔

درست کہتے ہو تم۔ ڈیرھ دو سال میں تم نے اسکی فطرت کے بارے میں درست اندازہ لگایا ہے۔ تم واقعی بہت ذہین ہو اور ذہین لوگوں کی میں قدر کرتا ہوں"۔ مہندر چند توصیفی انداز میں اسکی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

صوفے پر بیٹھے عاصم نے مہندر چند کے ریمارکس ایک تفاخر بھری مسکراہٹ قبول کیئے حالانکہ اس لمحے تو وقت بھی اس پر ہنسا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب کچھ کام کی بات کر لی جائے"۔ مہندر چند نے کچھ سیمپل نکال کر میز پر رکھے۔ ہمارے کام کرنے کا طریقہ سیٹھ ارمان کے طریقے سے کچھ مختلف ہے۔ اسکی تو بڑی بڑی سامیوں کیساتھ ڈیلینگز ہوتی تھیں جبکہ میرا اس معاملے میں اتنا اثر رسوخ نہیں ہے۔ میں صرف اندرونِ ملک ہی ڈیل کرتا ہوں بیرون ملک کیلئے زیادہ سرمائے کی ضرورت ہے جو فی الوقت میرے پاس نہیں ہے لیکن ایک دو غیر ملکی پرائیوٹ فلم

کمپنیوں سے میرے معاہدے ہوئے ہیں اوران میں، میں نے پیسہ انویسٹ کیا ہے۔ مجھے اُمید بلکہ یقین ہے کہ یہ پیسہ مجھے ڈبل ہو کر ملے گا"۔

"فلم کمپنیوں سے آپکے کیسے معاہدے ہیں؟ میرا مطلب ہے فلمیں تو ایک طرح سے لک پر چلتی ہیں اگر باکس آفس پر کلک کر گئی تو فائدہ ہی فائدہ ورنہ انویسٹر کو زیادہ نقصان ہی اُٹھانا پڑتا ہے اسکے علاوہ یہ ہماری فیلڈ بھی نہیں ہے تو ہم کیسے؟"،وہ کچھ متذبذب سا ہو کر بولا۔

مہندر چند اسکی بات سن کر ہلکا سا مسکرایا اور خاصے رازدارانہ انداز میں بولا۔

"میں ان عام فلموں کی بات نہیں کر رہا ہوں۔۔۔۔"۔ایک لمحے توقف کر کے وہ دوبارہ گویا ہوا۔ میں پورنوگرافی کی بات کر رہا ہوں۔ سمجھ گئے ناں؟" پینسل کو میز پر بجاتے ہوئے وہ عاصم کا چہرہ نوٹ کرنے لگا۔

"واٹ؟ پورنوگرافی؟"،عاصم نے تعجب اور حیرانگی کیساتھ دہرایا۔ "لیکن آپکو یہ آئیڈیا کس نے دیا؟"

"اس میں آئیڈیے کی کیا بات ہے؟ آج دُنیا کا کونسا ملک ایسا ہے جہاں پر یہ فلمیں نہ بنتی ہوں بلکہ عام فلموں کی نسبت انکی تیاری اور مارکیٹ تک رسائی بہت زیادہ ہے اوران فلموں کو دیکھنے والے ناظر کی تعداد بھی عام فلموں سے کسی طور کم نہیں ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے ان فلموں میں انویسٹر کو منافع ہو نہ ہو لیکن گھاٹا کبھی نہیں ہوتا بلکہ جتنا لگایا جائے اس سے دوگنا ہی ملتا ہے"۔ مہندر چند آہستہ آہستہ ساری تفصیل بیان کرتا جارہا تھا۔

"لیکن سر مجھے کرنا کیا ہو گا؟" عاصم نے سوالیہ نظریں اس پر گاڑ کر پوچھا۔

"تمہیں صرف مختلف ویڈیو شاپس سے ان فلموں کے آرڈر کلیکٹ کرنا ہوں گے۔ جیتنے زیادہ آرڈر ہوں گے سمجھو اتنا ہی زیادہ منافع اور باقی جو دوسرا کام ہے وہ اپنی جگہ پر چلتا رہے گا"۔

"ٹھیک ہے پھر میں کل سے اپنا کام سٹارٹ کرتا ہوں لیکن معاوضہ میں اپنی مرضی کا لوں گا"۔ اس نے اُٹھتے ہوئے حتمی انداز میں معاوضے کی بات کی تاکہ مہند چند کوئی بحث نہ کرسکے۔ مہند چند نے چند لمحے پُرسوچ نظریں اس پر جمائیں پھر ڈن کہہ کر اوکے کر دیا۔

"اوکے پھر میں چلتا ہوں کل ملوں گا"۔ اسکے باہر جاتے ہی مہندر چند کا ایک خاص دست راست وکی اندر داخل ہوا اور ایک نظر باتے جاتے عاصم پر ڈال کر مہند چند سے مخاطب ہوا۔

"سر آپکو نہیں لگتا کہ آپ نے ایک خطرناک شخص کو اپنے گروہ میں شامل کر لیا ہے"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ عاصم خطرناک ضرور ہے لیکن اسکے ساتھ وہ بہت عقلمند بھی ہے اور اسکی یہ عقلمندی ہمارے کاروبار کیلئے بہت سودمند ثابت ہوگی۔ تم دیکھنا پچھلے سات برسوں میں ہمارے کاروبار نے جتنی ترقی کی ہے اتنی ترقی عاصم کی وجہ سے صرف ایک سال میں ہو جائے گی۔ بہت بڑا فنکار ہے یہ لڑکا"۔

"آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے لیکن اس نے اپنے محسن کو نہیں بخشا جس نے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھایا۔ اس نے اس شخص کو اپنے راستے سے ہٹا دیا تو پھر آپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"تم اپنی جگہ درست کہہ رہے ہو لیکن سیٹھ ارمان کو اپنے راستے سے میں نے ہٹوایا ہے کیونکہ جب تک وہ رہتا ہمارے آگے بڑھنے کے چانسز بالکل صفر تھے۔ قسمت مجھ پر مہربان تھی کہ عاصم کی سیٹھ ارمان سے تلخ

کلامی ہو گئی اور غصے میں وہ میرے پاس چلا آیا اور میں نے اسکے غصے کو ہوا دے کر اپنے راستے کا سب سے بڑا کانٹا ہٹا دیا"۔

"سب سے بڑا کانٹا؟ میں سمجھا نہیں"۔ وکی نے نا سمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بلیک مارکیٹ میں سیٹھ ارمان کا بہت بڑا نام تھا اور اسکے ہوتے ہوئے میرے کبھی بھی آگے بڑھنے کے چانسز نہیں تھے۔ میں کافی عرصے سے پلاننگ کر رہا تھا کہ کسی طرح سیٹھ ارمان کو اپنے راستے سے ہٹا دوں اور قسمت نے مجھے عاصم کی صورت میں وہ مہرہ فراہم کر دیا جسکی چال سے میں نے اس بے تاج بادشاہ کو شکست دی اور جہاں تک عاصم کی بات ہے اسکو بھی میں ایک مہرے کی طرح استعمال کروں گا لیکن میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ سیٹھ ارمان کی طرح اسکے خلاف صرف کاغذی ثبوت اکٹھے کر کے بیٹھ جاؤں۔ تم یہ لو"، اتنا کہہکر مہندر چند نے میز کی دراز سے ایک جدید قسم کا چھوٹا سا ہینڈی کیم نکال کر سامنے رکھا۔ "تم یہ ہینڈی کیم لے جاؤ اور جب بھی عاصم کسی پارٹی کو مال دینے جائے تم اسکو اس کیمرے میں مقید کر لینا۔ یہ سب کسطرح کرنا ہے اس میں سارا کمال تمہاری مہارت کا ہو گا"۔ کیمرہ اسکو پکڑاتے ہوئے مہندر چند نے اپنے پلان سے آگاہ کیا۔

" ٹھیک ہے سر آپ فکر نہ کریں۔ یہ کام میں ایسی مہارت سے کروں گا کہ عاصم کو پتہ بھی نہیں چلے گا"۔

" گڈ مجھے تم سے یہی توقع ہے۔ ہمیں اسکی طرف سے بہت محتاط ہو کر کام کرنا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسکو ہمارے خلاف ذرا سا بھی شک ہو جائے"۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ آخر اتنا عرصہ آپکے ساتھ گزارا ہے آپکو پہلے کبھی کوئی شکایت ہوئی ہے؟"

"شکایت نہیں ہوئی اسلئے کہہ رہا ہوں۔ ٹھیک ہے اب تم جاؤ"۔

"مہندر چند، تمہیں تمہاری پلاننگ میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ جو گیم تم میرے ساتھ کھیلنے جا رہے ہو وہ میں نے اُلٹا تمہارے اوپر نہ ڈال دیا تو میرا نام بدل دینا۔ یہ مہرہ اب تمہیں برباد کر دے گا"۔ باہر دروازے کیساتھ عاصم نے ایک زہر خند نگاہ بند دروازے کی جانب ڈالی اور خاموشی کیساتھ باہر نکل گیا۔

****

"ارے اماں آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں"، رات کو ڈیڑھ بجے عاصم تھکا ہارا گھر داخل ہوا تو ماں کو ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بے آرامی سے بیٹھے دیکھ کر انکے قریب چلا آیا۔

"کیا بات ہے اماں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپکی؟" وہ تشویش سے انکے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے کیا ہو گا بیٹا ٹھیک ہوں میں۔ بس اولاد کی جانب سے دل کو کھٹکا لگا رہتا ہے۔ ماں ہوں نہ اسلئے اولاد کی طرف سے بے چینی کسی پل بھی چین نہیں لینے دیتی"۔

"اماں میں نے آپکو بتایا تو تھا کہ رات کو مجھے کچھ دیر ہو جائے گی۔ آپ میری طرف سے فکر نہ کیا کریں"۔

"بیٹا میں تیری طرف سے فکر مند نہیں ہوں۔ تو میرا سب سے لائق اور قابل بیٹا ہے۔ تو نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ میں تو بہت خوش قسمت ماں ہوں کہ تجھ جیسا بیٹا میری کوکھ سے پیدا ہوا ہے"۔

اس وقت اماں کی آنکھوں میں فخر و مان کا سمندر موجزن تھا۔ جبکہ انکی بات سن کر عاصم ایک لمحے کو شرمندہ ہو گیا۔ ضمیر کی چبھن ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی جسکو روکنا اسکے بس میں نہیں تھا۔

"بیٹا تم سارا دِن گھر سے باہر رہتے ہو اور گھر میں کیا ہو رہا ہے یہ بتا کر میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ اسی لئے جب تک ہو سکا بات کو چھپائے رکھا لیکن اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ باپ کے بعد تم ہی اس گھر کے سربراہ ہو اور تمہارا حق بنتا ہے کہ چھوٹے بھائی کو کسی بھی غلطی پر روکو یا سرزنش کرو"۔

اماں نے غیر مبہم الفاظ میں شاید زوہیب کی بات کی تھی۔ "کیا بات ہے اماں؟ کیا زوہیب نے کوئی حرکت کی ہے؟"۔ عاصم کے لہجے سے بھی بھائی کا ذکر سن کر پریشانی جھلکنے لگی تھی۔

"بیٹا، زوہیب ساری ساری رات گھر سے باہر رہتا ہے۔ رات کو کس وقت آتا ہے یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ بوڑھی عورت ہوں کب تک جاگ کر اسکا انتظار کروں۔ اسلئے تھک ہار کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ صبح کو اگر کچھ پوچھوں تو بدتمیزی سے جواب دیتا ہے۔ آدھا دِن تک تو سویا رہتا ہے۔ روحیل بتا رہا تھا کہ اس نے پڑھائی بھی چھوڑ دی ہے۔ کہہ رہا تھا کہ جس یونیورسٹی میں اس نے داخلہ لیا تھا وہیں پر اسکی دوستی امیر گھرانوں کے ایسے لڑکوں سے ہو گئی جو یونیورسٹی کا ماحول خراب کرنے کیساتھ ساتھ ہر قسم کی برائیوں میں ملوث ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ اسکو دیکھ کر مجھے پتہ نہیں کیوں یہ ڈر لگنے لگا ہے کہ وہ کچھ غلط کر رہا ہے۔ تم بڑے بھائی ہو۔ اسے پیار سے سمجھاؤ تمہاری بات مان جائے گا۔ میں کچھ پوچھوں تو ٹھیک سے جواب نہیں دیتا۔ پتہ نہیں کیوں بات نہیں کرتا مجھ سے"۔ اماں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

"اماں آپ کیوں رو رہی ہیں؟ چلیں اُٹھیں میں آپکو آپکے کمرے میں چھوڑ آؤں"۔ انہیں کاندھے سے پکڑ نرمی سے انکے کمرے میں لاکر لیٹا دیا اور نیند کی ایک گولی کھلا کر انکا سر دبانے لگا۔

"بیٹا میں نے آتے ہی تمہیں پریشان کر دیا"۔ اماں کچھ شرمندہ سی ہو کر بولیں۔

"اماں یہ میرا گھر ہے اور اگر گھر کے کسی فرد کا رویہ خراب ہے تو اسکی وجہ جاننا میرا فرض ہے۔ آپ آرام سے بے فکر ہو کر سو جائیں اور اپنی ساری فکریں ایک طرف رکھیں۔ میں پوچھتا ہوں اس سے کہ وہ یہ حرکت کیوں کر رہا ہے؟"

سر دباتے دباتے اماں گولی کے زیرِ اثر غنودگی میں چلی گئی۔ ڈاکٹر نے اماں کو کسی قسم کی ٹینشن لینے سے منع کیا تھا۔ انکا بلڈ پریشر اکثر ہائی رہتا تھا۔ اسی لئے اس نے نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا۔ کمبل کو اچھی طرح سے اوڑھا کر وہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔

ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر پاؤں پھیلا کر زوہیب کا انتظار کرنے لگا۔ ڈھائی بج چکے تھے۔ اسی طرح نیم دراز حالت میں کب نیند آ گئی اسکو پتہ نہ چلا۔ ہلکے سے کھٹکے کیساتھ دروازہ کھلنے کی آواز پر عاصم کی آنکھ ایکدم کھلی اور نظریں فی الفور کلاک کی جانب اٹھ گئیں۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے۔

"کہاں سے آ رہے ہو اس وقت؟"، کمرے میں عاصم کی بارعب اور سختی کی آمیزش لئے ہوئے آواز گونجی۔

اس دوران زوہیب خود کو کافی حد تک سنبھال چکا تھا اسلئے نارمل لہجے میں بولا،

"وہ۔۔۔۔۔۔۔ میں اپنے دوستوں کیساتھ تھا۔ ایک فرینڈ کی برتھ ڈے تھی اسلئے کچھ دیر ہو گئی"۔

"یہ برتھ ڈے ہر روز ہوتی ہے؟ میں نے سنا ہے کہ تم ہر روز رات کو بلکہ صبح کو گھر واپس آتے ہو"۔ اسکے سامنے کھڑے ہو کر عاصم نے اسکے چہرے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"آپ سے کس نے کہا یہ سب؟"

"تم یہ بتاؤ کہ میں درست کہہ رہا ہوں یا نہیں؟"۔ عاصم نے ایک پل اسکی آنکھوں میں جھانکا جو بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔

"غلط کہا ہے آپ سے جس نے بھی کہا ہے"۔ اس نے ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

"او ہو بہت خوب، تو اب تم نے جھوٹ بولنا بھی شورع کر دیا" عاصم نے طنزیہ نگاہیں اس پر ڈال کر پوچھا۔

اسکی یہ بات سن کر ایک لمحے کیلئے زہریلی سی مسکراہٹ زوہیب کے لبوں پر نمودار ہوئی اور کچھ جتاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اس دُنیا میں جھوٹ کون نہیں بولتا؟ یہاں تو لوگ بڑے بڑے جھوٹ بول کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا"۔

"میں جو پوچھ رہا ہوں تم اسکا جواب دو۔ اتنی رات تک تم باہر کیا کرتے رہتے ہو؟"۔ نجانے کس خیال کے تحت اس نے آگے بڑھ کر اسکا منہ سونگھا اور اگلے ہی پل ایک تکلیف دہ انکشاف سے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ غصے کی ایک شدید لہر اسکے اندر ابھری۔

ایک زناٹے دار تھپڑ زوہیب کے چہرے پر رسید کیا۔ طمانچے سے وہ ایک پل کیلئے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور صوفے پر گر گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ آنکھوں میں تنفر لئے ہوئے صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تم۔۔۔۔۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اُڑایا؟"۔ غصے میں اسکے منہ سے کف اڑنے لگا تھا۔

"تو اب نشے میں تم آداب بھی بھول گئے ہو لیکن اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اسطرح کے رویے سے اپنی برائی پر پردہ ڈال لو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ اصل بات بتاؤ کس بازاری عورت کے پاس اپنی غیرت، شرافت اور اخلاق کا جنازہ نکال کر آئے ہو؟"

اسکی بات سن کر ایک لمحے کیلئے زوہیب کی رنگت متغیر ہوئی اور اگلے ہی پل خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔

"ہوا میں تیر نہ چلائیں۔ ایسا کچھ نہیں کیا ہے میں نے"۔ لہجے میں لڑکھڑاہٹ ہنوز باقی تھی۔

"ہونہہ کچھ نہیں کیا ہے۔ دنیا دیکھ رہی ہے میں نے بھی لیکن ایک بات یاد رکھنا اگر مجھے پتہ چل گیا ناں کہ تم کسی غلط کام میں ملوث ہو تو میں تمہیں الٹا لٹکا کر جوتے مارنے سے بھی گریز نہیں کروں گا"۔ عاصم کو اس وقت اتنا غصہ اور برہمی تھی کہ ایک لمحے کو زوہیب خاموش ہو گیا۔ اسکے آنکھیں میں جلتی چنگاریاں اسے خوفزدہ کر گئی تھیں۔ "چلو دفع ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔ صبح بات کروں گا تم سے"، اٹھا کر عاصم نے اسے کمرے کی طرف دھکیل دیا۔

****

دس منزلہ عمارت کی خوبصورت بلڈنگ کا گلاس ڈور کھول کر عاصم اندر داخل ہوا۔ مہندر چند کا آفس سٹاف اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ دنیا کے دکھاوے کو اس نے انٹرنیشنل فرم بنا رکھی تھی جس سے بہت سے لوگوں کا روزگار بندا ہوا تھا۔ لیکن در پردہ اسکا کام منشیات کی فروخت اور پورنوگرافی کو ملک بھر میں سپلائی کرنا تھا۔ عاصم سیدھا

تھرڈ فلور کے تیسرے کمرے میں داخل ہو گیا جہاں مہندر چند وکی کیساتھ بیٹھا کسی پلان پر ڈسکس کر رہا تھا۔ اسکو دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے۔

"آؤ، آؤ عاصم۔ کیسے آنا ہوا؟"۔ مہندر چند چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔

"بہت بڑی خوش خبری لیکر آیا ہوں مہند سیٹھ۔ بیلجیئم کی ایک بہت بڑی کمپنی کیساتھ ڈیل فائنل کر کے آیا ہوں۔ انہیں ہماری کمپنی کی بنی ہوئی پورونوگرافیز کی ایک بہت بڑی کھیپ چاہیے۔ کم سے کم چار پانچ کروڑ کا فائدہ ہو گا۔ اصل میں آپ نے جن تین غیر ملکی کمپنیوں کیساتھ کنٹریکٹ سائن کئے ہیں انکا شمار دنیا کی چند مقبول ترین کمپنیوں میں ہوتا ہے اور کچھ میرے اپنے لنک تھے کہ آج ہمیں اتنا بڑا انٹرنیشنل آرڈر ملا ہے"۔

مہندر چند کی حالت قابل دید تھی۔ چار پانچ کروڑ کا سن کر اسکی آنکھیں لالچ اور ہوس سے پھیل گئی تھیں۔ خوشی اور جوش کے مارے اسکے منہ سے بے ربط الفاظ نکل رہے تھے۔

"اچھا کب۔۔۔۔۔۔ کب تک آرڈر مکمل کرنا ہے؟ کنسائمنٹ کیسے فائنل کی تم نے؟"

"کنسائمنٹ فائنل کرنا آجکل کونسا مشکل کام ہے مہند سیٹھ خاص کر غیر ملکی کمپنیوں سے۔ فیکس اور انٹرنیٹ کس مرض کی دوا ہے"۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آرام دہ حالت میں اسکے چہرے کے تاثرات کو جانچ رہا تھا۔ "ہمارے پاس ایک ماہ ہے مہند سیٹھ اسلئے تم آج ہی ان کمپنیوں سے رابطہ کرو اور ہماری ڈیمانڈ بتادو"۔

اِس دوران وکی کو مہندر چند نے باہر جانے کا اِشارہ کر دیا تھا۔

"کیا منگواؤں تمہارے لئے؟ چائے، کافی"، مہندر چند خوشامدی انداز میں اسکی جانب دیکھ کر بولا۔

"اتنی بڑی خوش خبری لیکر آیا ہوں اور تم خالی چائے پر ٹرخا رہے ہو"۔

"ہاں ہاں تو تم بتاؤ کیا پیو گے ابھی حاضر ہو جاتا ہے"۔

"آج تو وہ اسپیشل چیز ہونی چاہیے سیٹھ جو تم اکثر پیتے ہو"۔ عاصم نے گہری نگاہ سے اسکو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں"، اور اُٹھ کر آفس کے بنے کیبن میں داخل ہو کر ایک قیمتی امپرٹڈ شراب کی بوتل اٹھا لایا۔

"سیٹھ خوش خبری میں لیکر آیا ہوں تو جام بھی میں خود ہی تیار کروں گا"۔ بوتل اسکے ہاتھ سے لیکر وہ چھوٹی ٹیبل کے پاس چلا آیا جبکہ مہندر چند کوئی اعتراض کیئے بغیر اپنی کرسی پر واپس آ کر بیٹھ گیا۔

روم فریج سے برف کے کیوب نکال کر گلاس میں ڈالتے ہوئے اس نے ایک لمحے کیلئے نظر بچا کر وہ خاص گولی ایک گلاس میں ڈال دی۔ گلاسوں کو لبالب شراب سے بھر کر اس نے ایک گلاس لا کر مہندر سیٹھ کو دیا اور دوسرا گلاس لیکر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آج کا جام ہماری پہلی کامیابی کے نام"، مہندر چند نے گلاس سے گلاس ٹکرا کر ایک ہی سانس میں اسے خالی کر دیا جبکہ عاصم بڑی پر اِسرار مسکراہٹ کیساتھ اسے شراب پیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسکا گلاس ابھی تک ویسے ہی بھرا پڑا تھا۔ ہزار برائیاں ہونے کے باوجود بھی اس نے آج تک شراب کو چکھا بھی نہیں تھا۔ اب بھی اس نے ایک پلان کے تحت مہندر چند کو شراب پینے کا کہا تھا۔ "اچھا مہندر سیٹھ اب میں چلتا ہوں"۔ عاصم اُٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے کچھ دیر بیٹھ جاؤ۔ ابھی تو تم آئے ہو اور تم نے اپنا گلاس بھی خالی نہیں کیا"۔

"کوئی بات نہیں سیٹھ۔ اسے بھی تم میری طرف سے پی لو۔ چلتا ہوں، پرسوں ملوں گا"۔ باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کا ایک فلک شگاف قہقہہ گونجا اور کئی لمحے گونجتا رہا۔ تم بہت بڑا کھلاڑی سمجھتے تھے ناں خود کو، اب دیکھنا شطرنج کی اس بساط پر تمہیں مات ہونیوالی ہے۔ اڑتالیس گھنٹے، صرف اڑتالیس گھنٹے میں تمہاری زندگی کی کہانی ختم ہو جائے گی۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکے گا کہ تمہاری موت کس طرح واقع ہوئی۔ ہر کوئی یہ سمجھے گا کہ تمہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے لیکن اصل میں تو زہر کی گولی نے اپنا کام دِکھانا ہے پھر تمہارے بعد اس امپائر کا میں مالک بن جاؤں گا۔ وکی جیسے مہروں کو راستے سے ہٹانا کونسا مشکل کام ہے۔ عاصم دو دن انتظار کر لو پھر تمہیں آسمان کی بلندیوں پر جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ خود ہی بڑبڑاہٹ کے انداز میں بولتے ہوئے اس نے گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

* * * * * * * * * *

"تانیہ مجھے آن لائن چیٹنگ کرنا بہت مشکل لگتا ہے۔ میری ٹائپنگ کی رفتار بہت سست ہے کیا کروں؟"۔ اریبہ فکرمندی سے مونیٹر پر نظریں جمائے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نو پرابلم یار۔ تم بس پریکٹس کرتی رہو۔ ابھی تمہیں میں ای میل کرنا بھی سکھاؤں گی۔ یہ سب آہستہ آہستہ سیکھتے ہیں ورنہ تو کوئی بھی پوائنٹ ذہن میں نہیں رہتا"۔ تانیہ اسے ساتھ ساتھ بتاتے ہوئے عملی طور پر کر کے سمجھا بھی

رہی تھی۔ "چلو بس آج کیلئے اِتنا ہی کافی ہے۔ میں نے ملازمہ سے چائے کا کہا تھا۔ باہر لان میں چل کر پیتے ہیں"۔ وہ کمپیوٹر بند کرتے ہوئے بولی۔

"تانیہ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اب میرا خیال ہے کہ میں چلتی ہوں"۔ "چلی جانا۔ ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔ آؤ تھوڑی دیر باہر بیٹھتے ہیں۔ موسم بھی کیا غضب کا ہو رہا ہے"۔

باہر موسم ابر آلود ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش کے بعد چلنے والی ٹھنڈی ہوا روح کو معطر کر رہی تھی۔ لان میں لگے ہوئے ہزارہا قسم کے پھولوں کی دل آویز مہک اسکی روح میں اترتی جا رہی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لیکر خوشبو کو اپنے اندر اُتارا۔

چائے کے دوران ہی تانیہ کے ماموں زاد کزن عفان کی گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ تانیہ نے اسے دیکھ کر دور ہی سے ہاتھ ہلایا جبکہ اریبہ کو اسے دیکھ کر عجیب سی بے چینی اور گھبراہٹ ہونے لگی۔ اس شخص کی نظریں اس قدر بے باک اور پرُ ہوس تھیں کہ اریبہ کو اسکی جانب دیکھتے ہی اس سے کراہیت ہونے لگی اوپر سے اسکی باتیں اس قدر کھلی ڈلی تھیں کہ اسکی ہتھیلیوں سے پسینہ نکلنے لگا۔ اب اس نے واپس جانے کی ٹھانی اور تانیہ سے ڈرائیور بلانے کو کہا۔

"ارے اریبہ جی ابھی ہم آئے ہیں اور آپ جا رہی ہیں۔ کچھ دیر تو بیٹھ جائیں۔ آپ تو ہمیں دیکھتے ہی بھاگنے کی کرنے لگیں۔ کچھ دیر ہم بھی دیدار یار کر لیں"۔ پرُ ہوس نگاہوں سے اس کے چہرے اور سراپے کو دیکھتے

ہوئے وہ اریبہ کو مخاطب کرنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ اریبہ نے کسی قسم کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور تانیہ سے بولی، "اچھا تانیہ میں چلتی ہوں، کل ملوں گی"۔

"یار کچھ دیر تو بیٹھ جاتی"۔ تانیہ نے پھر اصرار کیا۔ اب اریبہ کیلئے ایک منٹ بھی یہاں رُکنا دُشوار تھا۔

"آئیں اریبہ جی ہم آپکو چھوڑ دیتے ہیں"۔ عفان نے ایک بار پھر فری ہونے کی کوشش کی۔

"جی نہیں تھینک یو"، رکھائی سے ٹکا سا جواب دے کر وہ آگے بڑھ گئی۔

"یار تانیہ تمہاری یہ دوست کچھ مغرور اور اکڑو نہیں ہے ؟"، اپنے عقب میں اسے عفان کی آواز سنائی دی اور وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

****

زوہیب آج پھر گھر پر موجود نہیں تھا۔ تین گھنٹے تک ٹی وی لاؤنج میں ٹہلتے ٹہلتے اسکی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں لیکن آج شاید اسکا اِرادہ رات بھر گھر سے باہر رہنے کا تھا۔ رات بھر گھر سے باہر وہ کرتا ہے ؟ یہ سوال اسکے ذہن میں کسی ناگ کی مانند کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ کسی خیال کے تحت وہ اسکے کمرے میں چلا آیا کہ شاید کمرے سے کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے اسکے باہر رہنے کی کوئی وجہ معلوم ہو۔ سب سے پہلے اس نے سائیڈ بیڈ کی درازیں کھنگالیں جہاں سے کوئی خاص قابلِ ذکر چیز اسے نہیں ملی سوائے چند ایک ڈائریوں کے جن میں زیادہ تر فون نمبرز مختلف ناموں کی لڑکیوں کے تھے۔ ڈائریاں ایک جانب رکھ کر وہ اسکی وارڈروب کی جانب بڑھا۔ شاید بھول کر یا کسی وجہ سے چابی لاک میں لگی ہی لٹکی رہ گئی تھی۔ پہلے خانے میں کوئی بھی خاص چیز نظر نہیں آئی۔

اسے بند کر کے اس نے دوسرا خانہ کھولا۔ سب سے اوپر والے شیلف میں ہزار قسم کی ٹائیاں، موزے اور رومال وغیرہ پڑے تھے لیکن درمیان والے شیلف کو دیکھ کر ایک پل کیلئے وہ حیرت سے گنگ رہ گیا۔ پوری شیلف ویڈیو کیسٹ سے بھری پڑی تھی۔ اس نے ایک ویڈیو کیسٹ اُٹھا کر اسکا نام پڑھا اور اگلا لمحہ اسکے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ پورا شیلف پورنوگرافیز سے بھرا پڑا تھا۔ زوہیب کیا یہ سب کچھ بھی دیکھتا ہے؟ ایک سوال اسکے اندر گونجا۔ "ہم اس ملک میں پورنوگرافی کو اس قدر عم کر دیں گے عاصم کے ملک کا ہر نوجوان مغربی نوجوانوں کی طرح سیکس میں ڈوب جائے گا۔ ہمارے اس کاروبار کے کامیابی کی وجہ صرف اور صرف یہ نوجوان نسل ہے۔ ان ہی کی وجہ سے ہمارا کاروبار ترقی کرے گا، بڑھے گا، پھلے پھولے گا"۔ مرنے سے ایک دن پہلے مہندر چند کی کہی ہوئی بات اس کے لاشعور میں گونجی۔ اس نے فوراً الماری کا تیسرا خانہ بھی کھولا۔ یہاں بھی ڈھیر سارے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ سب سے نیچے والے شیلف میں دو تین جوڑے جوتوں کے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نظر سارے خانوں پر ڈال کر دروازے کو بے دِلی سے بند کیا لیکن دروازہ بند کرتے کرتے ایک عجیب سی مہک اسکے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس کیسلی کیسلی سی مہک کو تو وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ دھڑکتے دل کیساتھ اس نے ایک بار پھر الماری کا دروازہ کھولا اور سارے کپڑوں کو نکال کر زمین پر ڈھیر کر دیا۔ شیلف اندر سے خالی تھا۔ تبھی اس نے جھک کر جوتوں والا خانہ دیکھا اور تمام جوتے باہر نکال کر شیلف کے اندر ہاتھ ڈالا تو سیاہ رنگ کا لفافہ اسکے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے لفافے کو کھینچ کر باہر نکالا اور وہیں پر بیٹھے بیٹھے کھول کر دیکھا تو اندر سے وہی سفید رنگ کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں برآمد ہوئیں جنکا کاروبار وہ پچھلے تین سال سے

کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ آسمان شاید اسکے اوپر آن گرا ہے یا پھر وہ زمین کے اندر دھنستا جا رہا ہے۔ سینے میں دم جیسے گھٹنے لگا۔ رگوں میں خون کی رفتار کم ہو چکی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔ کسی معذور اپاہج شخص کی طرح مجبور، بے بس ہو چکا ہے۔ وہ جسکے سامنے اسکی زندگی، اسکی خواہشیں، اسکے منصوبے اور اسکی عقل سب کچھ ختم ہوتی جا رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر پا رہا ہے۔ کمرے میں ہیروئن کی کڑوی، کسیلی اور ناگوار سی مہک پھیلی ہوئی تھی جو اسکے اعصاب کو بری طرح متاثر کر رہی تھی۔ اس نے بے جان ہاتھوں سے تمام چیزیں الماری میں واپس رکھیں اور تھکے ہوئے قدموں سے چلتا لاؤنج میں آ کر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ سینے میں سانس کسی دھونکنی کی مانند چل رہی تھی جیسے میلوں دور سے بھاگتا ہوا آیا ہو۔ وقت کا انصاف ہو چکا تھا جو ربّ نے پہلے ہی مختص کر دیا تھا ہر اِنسان کے اعمال و فعال کے مطابق نہ کم نہ زیادہ۔

****

"تانیہ مجھے تمہارا یہ کزن بہت برا لگتا ہے۔ انتہائی چیپ اور لوفر شخص ہے"۔ اریبہ منہ بناتے ہوئے بول رہی تھی۔

"واقعی مجھے تو نہیں لگتا بس ذرا موڈی ہے۔ زندگی کو انجوائے کرنے کے ہنر سے آشنا ہے اور کچھ ہنسوڑ مزاج بھی ہے"۔ تانیہ اسکی بات کی نفی کرتے ہوئے عفان کی تعریفوں میں طلب اللسان تھی،

"ہاں تم تو کہوں گی کیونکہ وہ تمہارا کزن ہے۔ حالانکہ تم کبھی اسکی آنکھیں دیکھو ذرا جو شرافت ان میں ہو۔ یوں دیدے پھاڑ پھاڑ کے دیکھتا ہے جیسے سالم ہی نگل جائے گا"۔

اسکی بات سن کر تانیہ کے منہ سے ہنسی کا فوارہ نکل گیا۔ "تم خوامخواہ میں خار کھائے بیٹھی ہو۔ بھئی اب ظاہر سی بات ہے لڑکے تو لڑکیوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہی دیکھتے ہیں۔ اگر وہ بھی لڑکیوں کی طرح آنکھیں جھکا کر شرمانے لگے تو ان سے شادی کون کرے گا۔ ان لڑکوں کی ہمت ہوتی ہے کہ شرم سے سرخ ہوتی لڑکی سے شادی کیلئے تیار ہوتے ہیں ورنہ ہمارے معاشرے کی لڑکی ساری عمر کنواری بیٹھی رہے"۔

"کس قدر غلط اور بیہودہ بات کرتی ہو۔ لڑکیوں کو اتنا بے باک نہیں ہونا چاہیے چہرے کی معصومیت اور نور ختم ہو جاتا ہے"۔

"اچھا بس نصیحت بی بی چپ ہو جاؤ"۔ اس نے ہاتھ اُٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"میں چلتی ہوں"، اپنا بیگ اور ڈوپٹہ سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم بھی میرے ساتھ مارکیٹ چلتی تھوڑی سی شاپنگ ہی کر لیتے"، تانیہ نے چلتے چلتے آفر کی۔

"نہیں تانیہ کل یونیورسٹی میں منتھلی ٹیسٹ ہے اور مجھے اسکی تیاری کرنی ہے۔ میں کیسے جا سکتی ہوں؟ تم ابھی جا رہی ہو مارکیٹ۔ چلتے چلتے رواروی میں وہ پوچھ بیٹھی۔

"نہیں ابھی تو یونیورسٹی سے آئی ہوں۔ فریش ہو کر آدھے گھنٹے تک نکلوں گی"۔ اسے اللہ حافظ کہہ کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ڈرائیور بھی کافی دیر سے اسکا منتظر تھا۔ گاڑی مین روڈ پر آتے ہی اس نے گاڑی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ یہ تانیہ کس قدر بے باک لڑکی ہے۔ میں نجانے کیوں اس سے دوستی نہیں ختم کر سکی ہوں حالانکہ وہ میرے مینٹل لیول کی بھی نہیں ہے پھر بھی میں اس سے روز ملتی ہوں۔ شاید اسکے اندر یہ بے باکی اسکے ماحول

کی ودیعت ہے۔ کتنا تو سمجھا چکی ہوں اس لڑکی کو لیکن غلط بات کرنے سے باز نہیں آتی۔ سوچوں کے ریلے میں بہتے ہوئے کب اس نے سیٹ پر ہاتھ مار کر اپنے نوٹس تلاشنے چاہے۔ تب اس نے چونک کر اپنا بیگ ٹٹولا لیکن وہ بھی خالی تھا۔ میرے زولوجی کے نوٹس کہاں گئے؟ پریشانی سے پیشانی کو مسلتے ہوئے وہ سوچنے لگی۔ شاید تانیہ کے ہاں رہ گئے ہیں اب کیا کروں؟ صرف پندرہ منٹ کی ڈرائیو باقی تھی۔ اگر آج نوٹس نہ ملے تو کل کے ٹیسٹ کی تیاری مشکل تھی۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھا۔ ابھی تانیہ گھر پر ہی ہوگی۔ کچھ سوچ کر اس نے گاڑی دوبارہ اسکے گھر کی طرف موڑنے کیلئے ڈرائیور کو کہہ دیا۔ گاڑی کو باہر کھڑا کر کے وہ تیز قدموں سے اندر کی جانب بھاگی۔ ڈرائنگ روم میں ہی اسکا ٹکراؤ عفان سے ہو گیا جو ٹی وی لگائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک پل کو اسکے قدم اپنی جگہ پر تھم گئے جبکہ اریبہ کو دیکھ کر عفان کی آنکھوں میں ایک خاص چمک لہرائی تھی ۔ایسی چمک جیسے کسی درندے کی آنکھوں میں اپنے شکار کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ اسکی نظروں سے خائف ہوتے ہوئے اس نے ایک اجنبی نگاہ اس پر ڈالی اور تانیہ کے کمرے کی جانب بھاگی۔ جیسے ہی دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو پورا کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر باتھ روم کا دروازہ چیک کیا جو کھلا ہوا تھا۔ باتھ روم کا دروازہ بند کر کے اس نے کمپیوٹر ٹیبل پر نظر دوڑائی جسکی سائیڈ پر اسکے نوٹس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً آگے بڑھ کر نوٹس اُٹھائے اور جیسے ہی مڑی دروازے کے بیچوں بیچ عفان کو کھڑا دیکھ کر اسکے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر دوسری سائیڈ سے نکلنا چاہا لیکن اس نے اریبہ کا بازو پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔ اس کھینچا تانی میں اریبہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی "چھوڑو مجھے، تانیہ کہاں ہے؟ اپنی

کلائی چھڑاتے ہوئے اس نے چیخ پر پوچھا۔ "کبھی ہمارے بارے میں بھی پوچھ لیا کرو جانِ من۔ ہر روز تو تمہارے دیدار کیلئے یہاں آتا ہوں اور تم ہو کہ ہمیں منہ لگانا بھی گوارا نہیں کرتی ہو"۔ جذبات سے بوجھل آواز میں وہ اسکے چہرے کے قریب اپنی گرم سانسیں چھوڑتے ہوئے بولا۔ "چھوڑو مجھے ورنہ میں چلاؤں گی"۔ اریبہ نے اپنی طرف سے دھمکی دی۔ "کچھ فرق نہیں پڑتا ہے جان کیونکہ تمہاری چیخوں کو سننے والا اس گھر میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ تانیہ تو کب کی مارکیٹ نکل چکی ہے اور اسکی مما ایک سیمینار میں شرکت کیلئے لاہور گئی ہے۔ آج مجھے کون روکے گا؟"۔ اسے گھسیٹ کر بیڈ پر پھینکتے ہوئے اس نے دروازہ لاک کیا اور اریبہ اچھل کر ایک کونے سے جا لگی۔ اسکے اِرادے دیکھ کر اریبہ نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ جیسے ہی عفان اسکے قریب آیا اس نے جھک کر دوسری طرف جانے کی کوشش کی اور اسی کشمکش میں اسکا ڈوپٹہ عفان کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ ڈوپٹہ ایک طرف پھینکتے ہوئے دوبارہ اسکی طرف لپکا۔

شیطان کا داؤ چل چکا تھا۔ آج ایک اور بنتِ حوا ابن آدم کی ہوس کا شکار بننے جا رہی تھی۔ تقدیر بھی محوِ تماشہ تھی۔

****

"بکواس بند کرو ذلیل اِنسان، کس قدر ڈھٹائی سے اعتراف کر رہے ہو جیسے کوئی قابلِ فخر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ تمہیں اس لعنت کی لت لگائی کس نے مجھے بتاؤ میں اسکا خون پی جاؤں گا"۔ آنکھوں میں آگ کے شعلے برساتے لہجے میں وہ زوہیب سے مخاطب تھا۔ اسکی بات سن کر ایک طنزیہ مسکراہٹ زوہیب کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور خاصے کاٹ دار لہجے میں بولا۔

"مجھے اس لت میں کسی اور نے نہیں بلکہ خود تم نے لگایا ہے، ہاں تم نے"

"کیا کہا میں نے؟" عاصم نے حیرت سے اسکی بات سن کر کہا۔ "تم اپنی غلطی میرے سر تھوپ رہے ہو"۔ وہ کسی قدر تاسف زدہ لہجے میں بولا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے کچھ معلوم نہیں آپ نے یہ سب کیسے حاصل کیا ہے؟ یہ گاڑیاں، بنگلہ، بینک بیلنس، یہ شان و شوکت سب اس زہر کی بدولت ہے جو آپ نے اس ملک کی نوجوان نسل کی رگوں میں اُتارا ہے۔ اماں آپ جانتی ہیں آپکا یہ لائق، ہونہار، قابل فخر سپوت منشیات فروش ہے۔ ایک ڈرگ ڈیلر ہے۔ کالے دھندوں میں آپکا بیٹا ڈان کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو شخص بھی انکی حیثیت کو چیلینج کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اسکو دنیا ہی سے اُٹھا دیتے ہیں"۔ زوہیب نے پاس بیٹھی ماں کو ساری حقیقت بتا دی جسکو وہ ہر کسی سے چھپاتا آیا تھا۔ جبکہ اماں آنکھوں میں دُکھ اور اذیت کی کیفیت لئے اسکو تک رہی تھیں۔ چہرے پر بے یقینی کی لہریں لمحہ بہ لمحہ رقصاں تھیں۔ کچھ دیر بعد اماں کی درد میں ڈوبی دھیمی آواز گونجی۔

"میں کسی کی بات پر یقین نہیں کروں گی عاصم تو اپنے منہ سے ایک بار مجھے بتا دے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟"

اماں اب بھی اسکی جانب ایک اُمید کیساتھ دیکھ رہی تھیں کہ شاید وہ یہ کہہ دے اماں جو تم نے سنا وہ سب غلط ہے لیکن اسکو شرمندگی سے نظریں جھکائے خاموشی سے کھڑے دیکھ کر انکے شک کی تصدیق ہو گئی۔ آنکھوں میں کب سے روکے آنسو جاری ہو چکے تھے۔ "میں نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ جب تم ڈھیر کی صورت میں

روپے گھر لیکر آتے تھے تو وہ پیسے حرام کی کمائی کے بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ خیال کیوں نہ آیا کہ یہ بڑا سا گھر، گاڑیاں اور یہ عیش وآرام سب کچھ ناجائز طریقے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ماں تھی ناں شاید اسی لئے بیٹے کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی۔ آنسوؤں کی روانی نے انکے کمزور جھریوں زدہ چہرے کو بھگو دیا تھا۔ آج اگر تو نے صحیح کام کیا ہوتا تو یوں ماں کے سامنے مجرموں کی طرح سر جھکا کر نہ کھڑا ہوتا۔ میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تو نے ایک ماں کے اعتبار کا خون کیا ہے"۔

تبھی عاصم نے تڑپ کر ماں کی جانب دیکھا اور خاصے کمزور لہجے میں بولا، "اماں یہ سب میں نے اپنے بہن بھائیوں کیلئے کیا ہے۔ یاد نہیں ہے وہ دِن جب ہم تین تین وقت کے بھوکے رہتے تھے اور کوئی ہمیں پوچھنے والا بھی نہیں ہوتا تھا۔ نہ کوئی اپنا، نہ کوئی غیر۔ ہر کوئی ہم سے اپنا تعلق ختم کر چکا تھا اور آج یہ سب لوگ ہمارے تلوے چاٹتے ہیں"۔

"نہیں تھا کوئی تو نہ ہوتا اگر تیرے بہن بھائی بھوکے مر رہے تھے تو مر جاتے تو نے انکو حرام کے تر لقمے کی بجائے حلال کی کمائی کی روکھی سوکھی کھلائی ہوتی تو آج تجھے یوں شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔ نہ میرے سامنے نہ اپنے بہن بھائیوں کے سامنے"۔ شدید غصے کیفیت میں ان سے ٹھیک طرح بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

زوہیب سے بڑے آفاق نے ماں کی حالت دیکھ کر آگے بڑھ کر کندھوں سے تھام کر تسلی دی۔ اس سارے جھگڑے میں آفاق نے ایک خاموش کردار ادا کیا تھا۔ شاید اسکی فطرت ہی ایسی تھی۔ اپنے کام سے کام رکھنے کی۔ " آپ فکر مت کریں اِنشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا"۔ باقی کے فقرے اسکے منہ میں ہی رہ گئے کیونکہ

سامنے کے منظر نے ایک پل کیلئے اسکے حواس چھین لئے تھے۔ شدید بے یقینی اور حیرت کیساتھ دروازے میں کھڑی اریبہ کو دیکھ رہا تھا۔ "اریبہ"، اسکی سرگوشی نما آواز اتنی بلند تھی کہ کمرے میں موجود نفوس کو با آسانی سنائی دے گئی تھی۔ سب ہی نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا جہاں لٹی پٹی سی اریبہ دروازے کا پٹ تھامے کھڑی تھی۔ سب سے پہلے عاصم ہی بھاگ کر اسکے پاس پہنچا۔ کچھ دیر کیلئے تو وہ کچھ بول نہ سکا۔ "کیا ہوا گڑیا، کس نے کی تمہاری یہ حالت، بتاؤ۔ میں اسکو جان سے مار ڈالوں گا۔ خاموش کیوں ہو بولو"۔ اسکو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے عاصم چیخ کر بولا۔

"یہ کیا بولے گی؟ یہ تو تیرا مکافاتِ عمل ہے جو آج اس روپ میں تیرے سامنے آن کھڑا ہوا ہے۔ میرے آنگن کی خوشیوں کو تیری ذات اور تیرا حرام پیسہ نگل گیا ہے۔ جس دکھ اور کرب میں تو لوگوں کو مبتلا کرتا رہا ہے آج وہی سارے دکھ اکٹھے ہو کر میری اولاد کو برباد کر رہے ہیں۔ ان سب کا قصوروار تو ہے عاصم، صرف اور صرف تو۔ میں تجھے کبھی نہیں بخشوں گی کبھی بھی۔۔۔۔۔۔"، اتنا بول کر اماں دکھ اور صدمے کی کیفیت میں ہوش و حواس سے عاری ہوتی چلی گئیں اور بے ہوش ہو کر آفاق کی بانہوں میں جھول گئیں۔

آفاق کو گھر پر اریبہ کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ خود اماں کو اسپتال لیکر چلا گیا۔ اسپتال میں اماں کو آئی سی یو میں رکھا گیا۔ ڈاکٹر کے مطابق انہیں شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

ڈاکٹروں نے کوئی بھی بات چھپائے بغیر صاف لفظوں میں بتا دیا تھا کہ اماں کے بچنے کی امید بہت کم ہے۔ صدمے کا اثر انکے دماغ پر ہوا ہے جسکی وجہ سے دماغ کی رگ بری طرح متاثر ہو چکی ہے۔ عاصم تنہا بے

یار و مدد گار اسپتال کے کوریڈور میں کھڑا تھا۔ اتنا پیسہ ہونے کے باجود وہ اپنی جنت کی زندگی نہیں بچا سکتا تھا۔ اسکا جی چاہ رہا تھا کہ ایک بار ماں کے پیروں کو چھو کر ان سے معافی مانگ لے۔ اسکی ماں اس سے ناراض تھی تو لگ رہا تھا سارا جہاں اس سے خفا ہے۔ ضمیر کے کوڑے تڑاتڑ دل و دماغ پر پڑ رہے تھے۔ دماغ میں آوازوں کا شور تھا۔ ایک ایک واقعہ کسی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے آنا شروع ہو چکا تھا۔ کہاں پر اس نے ذیادتی کی، کہاں پر کسی کا حق مارا، کسکی جان لی اور کے زندگی بھر کیلئے بے بس اور مجبور کر دیا۔ وقت نے بالا آخر اسکو مات دے دی۔

دیوار کیساتھ لگتے لگتے وہ اسپتال کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گیا۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا لیکن آنکھیں کسی بنجر ویران زمین کی طرح خشک تھیں۔ وہ رونا چاہتا تھا، دھاڑیں مار مار کر، چیخ چیخ کر لیکن اسکی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ یکایک اسکے جیب میں رکھے موبائل کی ٹون بجنا شروع ہو گئی۔ کافی دیر تک وہ خالی الذہنی کیفیت میں موبائل کی جانب دیکھتا رہا اور تقریباً چھٹی یا ساتویں بیل پر اس نے بٹن اوکے کیا۔ دوسری جانب آفاق تھا۔

"اماں کی زندگی خطرے میں ہے آفاق۔ انکے بچنے کی اُمید بہت کم ہے۔ تم دُعا کرو۔ میں تو بہت گنہگار ہوں شاید تمہاری دعا۔۔۔۔۔۔۔۔۔" بات کرتے کرتے اسکی آواز بھیگ گئی۔

دوسری طرف سے آفاق کی سرد اور جامد آواز اُبھری، "معلوم ہے مجھے۔ جس ماں نے اتنی ذلت اٹھائی ہو وہ کیسے ٹھیک رہ سکتی ہے۔ جسکا بیٹا منشیات کا دھندہ کرتا ہے، جسکی بیٹی کی عزت پامال کر دی گئی ہو، جسکا بیٹا خود نشے

کاعادی ہو چکا ہو وہ ماں زندہ رہنا بھی کب چاہے گی؟ اچھا ہے ماں ہوش و حواس سے عاری ہو چکی ہے کم سے کم بیٹی کی موت کا صدمہ تو نہیں جھیلنا پڑے گا"۔

"بیٹی کی موت"، عاصم ایکدم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا ہوا اریبہ کو؟ بولو خاموش کیوں ہو تم"۔ اسکی خاموشی سے گھبرا کر عاصم چیخ پڑا۔

چند لمحوں بعد آفاق کی پرنم اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی جس نے اسکی رہی سہی ہمت بھی اسکے وجود سے چھین لی۔ "اریبہ نے خودکشی کر لی ہے"۔ آفاق کا کہا ہوا فقرہ بار بار اسکے لاشعور میں گونج رہا تھا۔ فون کب کا بند ہو چکا تھا لیکن وہ اب تک اسکو کان سے لگائے کھڑا تھا۔ کانوں میں جیسے شاں شاں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور شور رھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ موبائل فون اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر ماربل کے فرش پر زوردار آواز سے گرا اور کئی ٹکڑوں میں بٹ کر دور تک بکھرتا چلا گیا۔

وہ ساکت و صامت اسی طرح دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ نجانے کتنا وقت بیت گیا۔ دو گھنٹے، تین گھنٹے یا پھر پوری رات۔ صبح موذن کی صدا جیسے کی فضا میں گونجی اس نے چونک کر اماں کے کمرے کی جانب دیکھا جہاں سے ایک ڈاکٹر بڑی مایوسی کے ساتھ سر ہلاتا ہوا باہر آیا اور اسکے قریب آ کر کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے رسمی سے الفاظ سے کہہ کر آگے بڑھ گیا،

"آئی ایم سوری مسٹر عاصم، ہم آپکی والدہ کو نہیں بچا سکے"۔ اسے تو شاید پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اماں اس سے ناراض ہے اور وہ ناراضی میں ہی اسکو معاف کیئے بنا اس سے منہ موڑ گئی تھی کیونکہ وہ اپنی ماں کو بہت اچھی طرح جانتا تھا وہ اپنی کسی اولاد کو بھی غلط راستے پر چلتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی اور اولاد بھی وہ جو انہیں بہت عزیز تھی۔

آج اس عالی شان گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ وہ گھر جسکو خریدتے ہوئے میری آنکھوں میں کئی خواب تھے، اُمیدیں تھیں، اچھے مستقبل کا یقین تھا لیکن آج میری دو عزیز ہستیاں مجھ سے روٹھ گئیں جن کیلئے میں اپنی جان دینے سے بھی گریز نہ کرتا۔ وہ دونوں منوں مٹی تلے سو چکی ہیں اور میں اس عالی شان سجے سجائے گھر میں تنہا بیٹھا ہوا ہوں۔ گھر میں اس قدر خاموشی اور ویرانی ہے کہ اتنی تو شاید کسی قبرستان میں بھی نہیں ہوگی۔ اس سناٹے میں میرا دل گھبرا رہا ہے، میرا دل شور ہنگامے کیلئے مچل رہا ہے لیکن میں اپنی جنت سی خوبصورت زندگی اپنے ہاتھوں اُجاڑ چکا ہوں۔ آفاق مجھ سے نفرت کرتا ہے اور اسی نفرت میں وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے اور زوہیب پڑا ہوگا کسی پل کے نیچے یا کسی گٹر کے قریب نشے کی حالت میں۔ میں نے بہت چاہا کہ اسکا علاج کرواؤں لیک وہ مجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ ماں کی ناراضگی کا اس قدر اثر ہے کہ میں روز قبرستان جاتا ہوں۔ ماں سے جا کر معافیاں مانگتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں نے مجھے معاف کر دیا ہے کیونکہ میں جب بھی اس کی قبر پر جاتا ہوں تو مجھے ایک عجیب سا سکون و سرور ملتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ یہیں بیٹھا رہوں اپنی ماں کے قدموں کے پاس اور زندگی تمام ہو جائے۔

لیکن اس ظالم دُنیا کے رسم و رواج اور اصول اِنسانوں کی خواہشوں کے آڑے ہمیشہ سے آتے رہے ہیں۔ جب تک حرام کا پیسہ میرے پاس رہا مجھے لگتا ہے جیسے کوئی میرے بدن کو نوچ رہا ہے، میرے جسم کے ریشے ریشے کو کھینچ رہا ہے۔ اسی لئے اپنا سارا پیسہ میں نے مستحقین میں بانٹ دیا اور خود ایک مسجد کی امامت سنبھال لی۔

"آج میں دُنیا کا امیر ترین شخص ہوں کیونکہ میرے پاس سکون و اطمینان کی وہ دولت ہے جو دُنیا میں ہر کسی کے پاس نہیں ہوتی"۔

اِختتام